ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اردو نثری نظم کی روایت۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ

وسیم ارشد
معاون شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
اسلم حمید
پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور
شہرام ارشد
پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:
When a writer closes the collection in his creative mind and scatters it on the page, it is called prose, but when a poet tells the beautiful fabric of his imagination in the form of strings, a beautiful poem is created. Prose does not need any rhythm, rhyme and rhyme are necessary. Prose poem is a poetic genre which does not follow any system of weights and rhythms and which is also devoid of external harmony. This system is free from all kinds of prosody restrictions. This form of poetry is the religion of the West. In this article, an analytical study of the tradition of prose poetry is presented.

Keyword:
مسعود ہاشمی، نثری نظم، بودلئیر، فہیم اعظمی، مبارک احمد، سجاد ظہیر

جب کوئی ادیب اپنے تخلیقی ذہن میں موجود ذخیرے کو قلم بند کر کے صفحہ قرطاس پر بکھیرتا ہے تو اسے نثر کہتے ہیں لیکن جب ایک شاعر اپنے تخیل کے خوبصورت تانے بانے ایک لے میں سلجھے ہوئے تاروں کی صورت میں کہتا ہے ایک خوبصورت نظم تخلیق ہوتی ہے نثر کے لئے کسی بحر کی ضرورت نہیں ہوتی نا ردیف اور قافیہ ضروری ہے نثری نظم ایسی شعری صنف ہے میں جو اوزان و بحور کے کسی نظام کی پیروی نہیں کرتی اور جو خارجی آہنگ سے بھی عاری ہے یہ نظام ہر قسم کی عروضی پابندیوں سے آزاد ہوتی ہے اور نثر کے پیرائے میں لکھی جاتی ہے نظم کی یہ شکل مغرب کی دین ہے نثری نظم کی وضاحت درج ذیل اقتباس میں بخوبی ہوتی ہے:

> ''بحر نہ ہونے کے باوجود ایسی نظم میں خیال یا جذبے کی وحدت بھی موجود ہوتی ہے اور زبان و بیان کی آہنگ اور آرائش پر توجہ دینے سے شعری کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ نثری نظم لکھنے والوں کا یہ دعوی بھی ہے کہ وہ اپنے شعری واردات کو تقریباً من و عن بیان کر سکتے ہیں۔''(1)

نثری نظم میں ظاہری آہنگ یعنی عروضی نظام تو نہیں ہوتا البتہ لسانی آہنگ ضرور ہوتا ہے نثری نظم کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ اس میں ایک مکمل اور انوکھا خیال ہوتا ہے جو ایک خاص ربط اور تسلسل سے پیش کیا جاتا ہے اور مختلف پیکروں یعنی(images) کی مدد سے بیان ہوتا ہے۔اس ضمن میں سید مسعود ہاشمی کا خیال ہے:

> ''اس میں بنیادی اہمیت شعری مواد کی ہوتی ہے اس کے لفظ و معنی کے درمیان کسی قسم کی عروضی پابندیاں حائل نہیں ہوتیں یعنی اوزان، بحور، قوافی ان کے درمیان حائل نہیں ہوتے یا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ غنائیت کے موتی دائروں کا ہار اس کے ارد گرد ہر گز نہیں ہوتا نثری نظم کا تمام زور معنی آفرینی پر ہوتا ہے نثری نظم کا نام انحصار لفظ پر ہوتا ہے لفظ جب تخلیقی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جست لگاتا ہے تو استعارہ یا علامت کا روپ دھار لیتا ہے شاعری میں علامت سازی تاثیر کی گہرائی کے کام آتی ہے اور معنی کی مختلف صورتوں کو ہمارے سامنے لاتی ہے یہ وہ صدر نگ آئینہ ہے جو تجربے کے نادر اور انوکھے زاویے بناتا ہے۔"(2)

یہ بات بہت اہم ہے کہ نثری نظم میں علامت کے ذریعے کئی طرح کی تصاویر سامنے آتی ہیں علامت بنیادی طور پر ایک تصویر کاری ہے جس سے کسی دوسرے کے وجود کا سراغ ملتا ہے یہ شاعری کو پہلو دار ہی نہیں بناتی بلکہ اسے حسن مجسم بنا کر پیش کرتی ہے علامت کئی طرح کی ہوتی ہے آفاقی ،علاقائی اور شخصی علامت آفاقی علامت انسانوں کے مشترک جذبات تجربات اور مشاہدات سے جنم لیتی ہے علاقائی علامت کسی مخصوص علاقے کی جغرافیائی تاریخی اور ادبی نوعیت سے تعلق رکھتی ہے جب کہ شخصی علامت شاعر کی ایجاد کی ہوئی ہے جس میں شاعر کی ذات ماحول اور معاشرے کا دخل ہوتا ہے۔

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو نثری نظم چونکہ ہمارے زمانے کے حالات سے ہم آہنگ ہے اس لئے اس میں معاشرتی مسائل، عصری شعور، اور ذاتی کرب، شخصی ہیجان کے موضوعات کی عکاسی ملتی ہے اسی طرح امراض، آفات ذہنوں کا کرب معاشرتی ستم پر احتجاج جیسے موضوعات نثری نظم کے موضوعاتی دائرے کو اور زیادہ پھیلا دیتے ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے ہم نثری نظم کو کسی ایک خانے میں بند نہیں کر سکتے اس میں سماجی واقفیت بھی ہے اور محبت کے آفاقی موضوع کی گرمی بھی ہے اعلیٰ فلسفیانہ موضوعات بھی ہیں اور فطرت نگاری بھی ہے امید بھی ہے اور متحرک جذبات بھی ہیں اور ان سب کے ساتھ ساتھ روحانی اور علمی مسائل کی جھلکیاں بھی ہیں اس سلسلے میں سید مسعود ہاشمی کا کہنا ہے:

"نثری نظم میں بالخصوص علامتوں اور تصویر کاری کے ذریعے موضوعات میں زور پیدا کیا جاتا ہے اور انہیں پہلو دار بھی بنایا جاتا ہے نثری نظم کا بنیادی زور لفظ لفظ پر ہے یہ مروجہ تمام ہئیتی پیمانوں سے انحراف کی شاعری ہے اور بے ہئیتی کی ہئیت کی موجد ہے لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ایسی سکیم موجود ہے جو فکری انداز میں شعری مواد کو اظہار کی منزلوں پر لے جاتی ہے۔"(3)

انگریزی میں نثری نظم کو **prose poem** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اردو میں اس کا ترجمہ "نثری نظم" کیا گیا ہے اردو میں جب نثری نظم کا آغاز ہوا تو اسے کئی نام دیے گئے مثلاً بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں جب کثرت سے نثری نظمیں لکھی گئیں تو اس زمانہ میں اسے شعر منثور، اشعار منثور، یا منثور نظم کہا جاتا تھا کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے **1927** میں "شعر منثور" یا "نظم منثور" کی اصطلاح سامنے آئی تھی اس کے بعد میں نثری نظم کو کئی اور نام دیے گئے تھے مثلاً "بے بحر شاعری" غیر عروضی شاعری جب کہ نثر اور نظم کے ملاپ سے "نثم" اور "نثمانے" کی اصطلاح بھی وضع کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ نثری نظم کی اصطلاح سب سے پہلے میراجی اور اختر الایمان نے استعمال کی ان کے زیر نگرانی نکلنے والا رسالہ خیال میں جو نظمیں شائع ہوئیں ان پر نثری نظم لکھا ہوا تھا اور یہ نظمیں بسنت سہائے نام کے ایک شاعر سے منسوب تھیں۔

اردو نظم کے وسیع و عریض میدان میں نثری نظم کا جواز کیا ہے؟ یہ کہاں سے برآمد ہوئی؟ اور کن علاقوں میں سفر کرتی ہوئی عہد حال تک پہنچی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو نثری نظم کے ابتدائی نقوش فرانس میں ملتے ہیں جنگ عظیم اول اور دوم کے بعد مغرب کی فکشن اور شاعری میں نمایاں تبدیلیاں نظر آتی ہیں ان کے موضوعات کی ہیئت اور اسلوب میں تبدیلی کا عمل واضح طور پر نظر آتا ہے نثری نظم کی ابتدا کے سلسلے میں اویس سجاد لکھتے ہیں:

"فرانس میں نثری نظم کی ابتدا اٹھارویں صدی میں ہوتی ہے اور بودلیئر کو باقاعدہ نثری نظم کا شاعر سمجھا جاتا ہے اس کا شمار علامتی تحریک کے معماروں میں بھی ہوتا ہے بودلیئر نے بنجر اور آرٹ کے درمیان تعلق کی نئی تھیوری بھی پیش کی تھی۔"(4)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

1869ء میں بہت بودلیئر کی نثری نظموں کا پہلا مجموعہ (petits poems prose) کے نام سے چھپا۔اس طرح بودلیئر پہلا شخص ہے جس نے نظم کی تخلیقی امکانات کو جدید شاعری کی ایک منفرد ہیئت میں واضح کیا۔

بودلیئر کی نظمیں ''پیرس کا کرب'' کے عنوان سے اردو میں ترجمہ ہوئیں یہ نظمیں مغربی تناظر میں لکھی گئیں اور وہاں کے رسم ورواج، طرز معاشرت، توہمات، اور عجیب طرح کے غم وغصے کی عکاسی کرتی ہیں۔ان میں عورت کا دکھ، جنس، اور شہوانی موضوعات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔بودلیئر کی بہت سی نظمیں اس کی اپنی ذات کے گرد گھومتی ہیں اور ان میں وجودی کرب نظر آتا ہے بودلیئر کے بعد ''راں بو'' کا نام آتا ہے جس نے اپنے منفرد اسلوب سے نہ صرف فرانسیسی شاعری بلکہ اس کے بعد منظر عام پر آنے والی شاعری پر گہرے اثرات مرتب کیے ''راں بو'' نے اپنی نثری نظموں کا مجموعہ illuminations کے نام سے 1886ء میں شائع کیا۔

''راں بو'' نے ابتدائے عمر ہی میں ایک نظم تخلیق کی تھی جس کا عنوان سورج ابھی چمکا ہوا تھا رکھا گیا اس نظم کو اہل یورپ میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی راں بو کی نظموں کے بیشتر موضوعات بورژوائی (اشرافیہ) طبقے کی مخالفت اور مذہب انحراف پر مشتمل ہیں۔ڈاکٹر فہیم اعظمی نثری نظم کا سہرا راں بو کے سر باندھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ نثری نظموں کو صحیح معنوں میں ایک صنف شاعری کے طور پر پیش کرنے والا راں بو تھا اس نے اپنی نثری نظموں المشوی نیشنگے ذریعے نثری نظم کو ایک باطنی عکاسی یا داخلی اسلوب کے طور پر پیش کیا اور انہیں بیانیہ قصے سے پاک کیا اس نے اپنے اسلاف کے بیانیہ متن اور فرسودہ الفاظ کو رد کیا لغوی معنی سے اقرار کیا اس نے اپنی شاعری کے ذریعے بتایا کہ آدمی کے تحت الشعور میں کتنا شاعرانہ مواد ہوتا ہے۔''(5)

فرانس میں ''راں بو'' کے بعد ''ملارمے'' نے بھی نثری نظمیں لکھی ہیں جو اس کے مجموعے Divagation میں موجود ہیں نثری نظم کے ضمن میں انیسویں صدی میں ''وکٹر ہیوگو'' کا نام بھی لیا جاتا ہے فرانس میں وکٹر ہیوگو کو نثری نظم کے معروف ومقبول شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں بعد کے لوگوں میں سوترماں، ملاخورج اور سینٹ جان پرس کے نام بھی شامل ہیں جنہوں نے نثری نظم میں اپنی الگ پہچان بنائی اور شہرت حاصل کی۔

فرانس کے بعد نثری نظموں کا آغاز یورپ اور دنیا کے مختلف ممالک میں ہوا۔اس سلسلے میں امریکہ میں ''والٹ وہیمٹن'' کی کتاب ''leaves of Grass'' خصوصی شہرت کی حامل ہے یہ کتاب اٹھارہ سو پینسٹھ میں شائع ہوئی ''ایڈگر ایلن پو'' نے بھی نثری نظم سے دل چسپی کا اظہار کیا ''ایذرا پاؤنڈ'' اور ایلیٹ کا بھی اس سلسلہ میں نام لیا جاسکتا ہے۔

مشہور روسی ناول نگار جس کا نام ''لیوٹالسٹائی'' ہے ان کی ایک تحریر ''خواب'' کو بھی نثری نظم میں شمار کیا جاتا ہے جو کہ 1857 ء میں شائع ہوئی۔نثری نظم کی اس صنف میں ''اوکتایاز'' اور ''پابلونودا'' وہ شاعر ہیں جو نثری نظم کو عالمی سطح پر لے کر آئے اور اسے مختلف موضوعات، امیجز اور منفرد اسلوب کے حوالے سے اعتبار بخشا پابلونرودا نوبل انعام یافتہ شاعر تھا وہ اپنی مٹی اور تہذیب سے جڑا ہوا تھا اور مارکسی نقطہ نظر اور انقلابی جدوجہد سے بھرپور تھا اس نے زندگی اور معاشرے میں بدلتی ہوئی صورتحال کو بڑے منفرد انداز میں مختلف تشبیہات اور استعارات کے ذریعے بیان کیا ہے۔

اردو میں نثری نظم:

بیسویں صدی عیسوی میں اردو نظم کئی تجربوں سے ہمکنار ہوئی جن میں معرا نظم، آزاد نظم، سانیٹ ہائیکو ترائیلے گیت اور نثری نظم کے تجربے شامل ہیں۔نثری نظم کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا کہ شاعر اپنے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے کبھی کبھی نثری نظم کو کہہ دیتے ہیں اس کی بیش تر تخلیقات اردو فارسی عربی سنسکرت اور مغربی شعریات سے متاثر ہیں کسی بھی فن پارے کی قدر وقیمت متعین کرنے کے لیے ہم چند اصول وضع کر لیتے ہیں حالاں کہ ادب کا معاملہ ذوق اور وجدان کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

نثری

نظم میں شاعر وزن، بحر، قافیہ اور ردیف کی پابندی سے آزاد ہے جب کوئی نظم نگار وزن کی قید سے آزادی حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کٹھن راستہ اختیار کرتا ہے وہ وزن کے خارجی سہارے کا انکار کر کے صرف خیالات کے مدد سے شعری آہنگ دریافت کرتا ہے جہاں تک اردو میں نثری نظم کا تعلق ہے تو اس میں آغاز بیسویں صدی میں ہوا اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''تیسری دہائی کی ہمایوں میں ابن مریم کے قلمی نام سے چھپنے والے تحریری آج کی نثری نظمیں ہی معلوم ہوتی ہیں مگر یہ صاحب شیز اور قرینیا کے مریض تھے اور اس مرض میں انتقال ہوا۔''(4)

ان کے ناقدین نے ٹیگور کی ''گیتا نجلی'' کو اردو میں نثری نظم کی پہلی کڑی شمار کیا ہے جس کا ترجمہ نیاز فتح پوری نے کیا نثری نظم کے آغاز کی کہانی خاصی دلچسپ ہے مغرب میں اسے فرانس امریکہ اور برطانیہ کی شاعری میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تو مشرق میں سنسکرت اور عربی۔

اُردو کے بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ سجاد ظہیر کو نثری نظم کا پہلا شاعر اور ان کے شعری مجموعہ ''پگھلا نیلم'' کو نثری نظم کا پہلا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے اصل سوال یہ اٹھتا ہے کہ نثری نظم کی ابتدا کب ہوئی ہندوستان میں سجاد ظہیر اعجاز احمد اور حسن شہیر اور پاکستان میں احمد ہمیش، عباس اطہر سلیم الرحمن اور مبارک احمد کی تخلیقات تھوڑے سے زمانے کے فرق کے ساتھ ء1961 کے بعد مختلف رسائل میں شائع ہوئی تھیں۔ سجاد ظہیر کا شعری مجموعہ پگلا نیلم اس اعتبار سے اولیت کا درجہ رکھتا ہے کہ اس میں شامل بعض نظمیں کسی بحر پر پورا نہیں اترتیں اور نثری نظم کی ترتیب پر اس کتاب میں شامل نظموں کے بارے میں سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

> ''اس مجموعہ کی بیش تر نظمیں گذشتہ تین چار سال کی مدت میں لکھی گئی ہیں اس دوران میں نے انہیں اپنے دوستوں کی محفلوں اور بڑے اجتماعات میں پڑھ کر سنایا اور ان میں سے بعض مختلف رسالوں میں شائع بھی ہوئی تھی۔''(7)

اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''پگھلا نیلم'' کی نظمیں انیس 1961ء اور 1964 میں لکھی گئی ہوں کیونکہ مقدمے پر 1964 کی تاریخ درج ہے اس لئے اندازے کی بنیاد پر سجاد ظہیر کو نثری نظم کا پہلا شاعر قرار دیا جا سکتا ہے پگلا نظم کی نظموں میں پیکر تراشی اور امید سازی کا رنگ نظر آتا ہے مجموعہ میں شامل پہلی نظم پرانا باغ پیکر سازی کا عمدہ نمونہ ہے نظم ''پرانا باغ'' قدیم تہذیب اور تمدن کی عکاسی کرتی ہوئی نظر آتی ہے اس نظم کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''کیسا سناٹا ہے یارب اور کیسی تلملاتی مضطرب تنہائی ہے آوازیں آتی ہے لیکن ملی جلی اونچی نیچی معنی اور مطلب کو صرف ذرا سا چھو کر ادھر ادھر بہ جاتی ہیں ایک یاد کی خوشبو آتی ہے رنگین منقش تتلی کے تھرتھرانے پر جیسے لیکن وہ بھی ایک جھونکا لے کر اڑ جاتی ہے۔''(8)

اس نظم میں ایک گمشدہ تہذیب کی بازگشت سنائی دیتی ہے ''پگھلا نیلم'' کی بیش تر نظموں میں مارکسی نظریے کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا نظریہ بھی ملتا ہے بہر حال یہ امر اہمیت کا حامل ہے کہ نثری نظم کے نام اور جواز کے بارے میں مباحث کے نئے در کھلے اور نثری نظم نگاروں نے دفاع میں اپنا نقطہ پیش کیا ان بحثوں میں جن نثری نظم نگاروں نے فصال حصہ لیا ان میں قمر جمیل، احمد ہمیش، مبارک احمد، عزیز حامد مدنی افتخار جالب عبدالرشید اور انیس ناگی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان میں مبارک احمد اور احمد ہمیش دو ایسے نام ہیں جو خود کو نثری نظم کا بانی خیال کرتے ہیں مبارک احمد نے اٹھارہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا انہوں نے گجرات سے لاہور میں مستقل سکونت اختیار ہیں اور یہاں نثری نظم کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا نئی شاعری کے نام سے رواج پانے والے نثری نظم مبارک احمد کی پہچان بن گئی ان کی نثری نظموں کا پہلا مجموعہ ''زمانہ عدالت نہیں'' کے نام سے نئی مطبوعات پبلشرز نے لاہور سے شائع کیا ''زمانہ عدالت نہیں'' اس کتاب کی اہم اور طویل نظم ہے جو کتاب کا نام بھی ہے اور اس نظم سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''زمانہ عدالت ہے اور میں بغاوت کے الزام میں میں پابجولاں کھڑا ہوں مرا جرم یہ ہے کہ میں نے زمانے کو آواز دی اور صدیوں پرانا لبادہ اتارا مرے جسم پر ایک سو ایک روشن نشان تھے میرے زرد ماتھے کی بارہ لکیروں سے گہرے تفکر کی کرنیں بھکرنے لگیں اور لوگوں کے چہروں پہ گزرے زمانوں کی اندھی عقیدت کا سیلاب پایاب تھا ان کی آنکھوں میں صدیوں پرانی کہانی سے تازہ ہوا بھرتے سوالوں نے مجھ سے جب آپ بات چاہے تو میں نے کہا ارتقا اور تعقل سے عاری مذاہب جہالت کا سرمایہ ہیں اور یہ دور جمہوریت اور عدل و مساوات کا دور ہے آمریت کی سب صورتیں کفر انسان و انحاد انسانیت کا کھلا درس ہیں اور فکر و عمل کے سبھی مسئلے کاروبار شب و روز کے سب تقاضے سیاق و سباق محبت کی تفسیر ہیں۔''(9)

درج بالا سطور کے شاعر مبارک احمد پاکستان میں نثری نظم کی داغ بیل ڈالنے کے دعوی دار ہیں دوسری طرف بعض لوگ اردو میں نثری نظم کی اولیت کا سہرا احمد ہمیش کے سر باندھتے ہیں احمد ہمیش نام 1940 میں ہندی شاعری کے زیر اثر نثری نظم لکھنا شروع کی۔ وہ خود کو نثری نظم کا بنیاد گزار کہتے ہیں احمد ہمیش نے اپنے انٹرویو میں اس بات کا ذکر اس طرح کیا تھا:

''انیس سو چالیس میں میں نے اردو میں نثری نظم کی بنیاد رکھی میں نے جو نثری نظمیں 1940 میں کہیں وہ 1942 میں شائع ہوئی میری پہلی نثری نظم تھی یہ بھی ایک ڈائری جو کہ ماہنامہ نصرت میں شامل ہوئی۔''(10)

احمد ہمیش کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے 1962ء میں نثری نظمیں کہنا شروع کیں جبکہ ان کی ابتدائی نظموں پر ترجمے کا گمان ہوتا ہے انہیں عام طور پر شاعر سے زیادہ افسانہ نگار مانا جاتا ہے تاہم انہوں نے جو نظمیں لکھی ہیں وہ انفرادیت کی حامل ہیں اور قاری کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں ان کی ایک نظم سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ہم نے ایک کارنامہ کیا صدیوں تک سلانے والے نیند کو سلا دیا خود جاگتے رہے ہم نے دیکھا پیٹ کو سٹیج پر اتار کر مرنے والے تمام کردار انصاف کی سپاہیوں میں تحلیل ہو گئے ہم نے لفظوں سے گوشت اور لباس کی بھیک نہیں مانگی ہم چاہتے تو لفظوں کو جوڑ کر کوئی پل بنا سکتے تھے لیکن ہم نے پل نہیں بنایا کیوں کہ آج تک پلوں نے سوائے پار اتارنے کے اور کیا کیا۔''(11)

احمد ہمیش خان زبان کو عمدہ تخلیقی سطح پر استعمال کرتے ہیں تاہم ان کے یہاں علمی اصطلاحیں عام طور پر بوجھل پن کا احساس دلاتی ہیں۔ پاکستان میں 1940ء کے بعد آنے والی نسل میں نثری نظم کو ایک اہم وسیلہ اظہار کے طور پر اختیار کیا اس سلسلے میں مبارک احمد اور احمد ہمیش کا ذکر ہوا ان کے ساتھ عباس اطہر اور محمد سلیم الرحمن کا نام بھی آتا ہے اس سلسلے میں قمر جمیل نے بھی نثری نظم کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آصف فرخی قمر جمیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قمر جمیل نے نثری نظم کا رخ کیا یا تو اپنے ساتھ لاؤ لشکر بھی پیدا کر لیا جم غفیر کو لے کر راہ سخن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کچھ ان کی گفتگو کا اثر تھا کچھ استادانہ رنگ ڈھنگ کا نتیجہ کراچی میں نثری نظم اس طرح پھیل گئی جیسے کچی آبادی میں وبا پھیلتی ہے۔''(12)

قمر جمیل کی نظموں میں کیفیت اور احساس کی تازگی نظر آتی ہیں ان کی نظم ''المیہ کھیل کا ایک کردار'' ملاحظہ ہو:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''جب میں بچہ تھا روئی کے گالوں سے ڈرتا تھا اب دشمن کی چالوں سے ڈرتا ہوں میرے بچپن میں آگ کے اطراف دراور لڑکیاں گیت گاتی تھیں اور میں ایک ہوٹل میں بینڈ بجاتا ہوں اور لومڑی کی کھال سے اپنا لباس سیتا ہوں۔''(13)

قمر جمیل ابتدا میں نثری نظم کی بھرپور حمایت کرتے تھے لیکن بعد میں وہ پابند شاعری کی طرف آ گئے۔ عبدالرشید کا شمار ان اہم ترین نثری نظم نگاروں میں ہوتا ہے انہوں نے اس صنف کو اعتبار بخشنے کے لئے اپنی تمام شعری صلاحیتوں کا استعمال کیا عبدالرشید کی ایک نظم ''ایسا الجھ چکا ہوں'' کی چند سطریں ملاحظہ ہوں جو اس مخصوص عصری صورت حال کی عکاسی کر رہی ہیں جس نے فرد کو بڑی سامراجی طاقتوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی بنا دیا ہے اور وہ چار سو برپا ہونے والے آگ اور خون کے کھیل میں محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شامل ہو کر اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ رہتا ہے:

''سورج زبان گاہ کی چھت پر نکلا ہے اور حریص خداؤں کے رشتے سے تازہ قربانی کے لاشے گننے میں مشغول ہے اور مزید کی خاطر جم کر بیٹھا ہے ایسا الجھ چکا ہوں پانی میں ہاتھ ڈبو کر ڈرتا ہوں کہ خون نہ ہو دن کی پسلی سے کسی مراد کا برآنا لاحاصل ہے جو پتے ٹوٹ چکے وہی نصیب تھے جو دن بیتا وہی موعودہ جنت تھا۔''(14)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ عبدالرشید کا شمار معاصر نثری نظم کی ان اہم ترین آوازوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی نظموں میں اپنے ذاتی دکھوں اور کیفیات کی تجسیم کرنے کے بجائے اس مخصوص عصری حسیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو اس عہد میں ہمارے طبقاتی اور سماجی اقدار کی بربادی سے جنم لیتی ہے۔ نثری نظم کے حوالے سے ایک نمایاں نام ثروت حسین کا ہے جو ایک منفرد اسلوب کے ساتھ نثری نظم کے میدان میں اترے ثروت حسین کی نثری نظمیں اس عام آدمی کے تجربات اور احساسات کی عکاسی کرتی ہے جو معاشرے میں شامل ہو کر اپنے ارد گرد بکھرے مناظر سے نت نئے حسی پیکر اور ان سے متعلق کیفیات بیان کرتا ہے ان کی بیشتر نظمیں شاعر کی داخلی تنہائی اور ذات کی ٹوٹ پھوٹ سے عبارت ہیں جبکہ بعض نظموں میں ایسے تجربات کیے گئے ہیں جن میں شاعر معاشرے کی ان پست اور محروم طبقوں سے ایک رشتہ استوار کیے ہوئے ہے۔ جنہیں اپنے حصے کی زندگی بھی کھل کر گزارنے کا موقع نہیں ملتا اور وہ معاشی اور معاشرتی جبر کا شکار ہو کر روٹی کے چند ٹکڑوں کی خاطر شرف انسانیت کھو دیتے ہیں ثروت حسین کی ایک نظم ''میں ایک آدمی کی موت مرنا چاہتا ہوں'' کہ چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''میرے دکھ بہت معمولی ہیں میں دکھی ہوں اس مریض کے لیے جس کی بیل گاڑی ہسپتال کے دروازے تک نہیں پہنچ پائے گی میں دکھی ہوں اس عورت کے لئے جو اس بیل گاڑی کو جاتا ہوا دیکھتی ہے میں دکھی ہوں اس بیلچے کے لئے جو بارشوں میں بھیگ رہا ہے میں دکھی ہوں اوزاروں کے صندوق کے لیے جو میرے مرحوم باپ کی نشانی ہے۔''(15)

افضال احمد سید کا شمار نثری نظم کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے انہوں نے غزلیں بھی کہیں مگر ان کی شاعری کا بڑا حصہ نثری نظموں پر مشتمل ہے افضال احمد سید کی نثری نظمیں اپنے منفرد اسلوب اور نامانوس طرز اظہار کی بدولت ایک ایسی صورتحال کو جنم لیتی ہیں ان کی نثری نظموں کا پہلا مجموعہ ''دو زبانوں میں سزائے موت'' 1990ء میں دوسرا مجموعہ ''ورکوں کو اور دوسری دنیائیں'' 1999ء میں شائع ہوا۔ 2009 میں مٹی کی کان کے نام سے ان مجموعوں کو ادارہ آج کی کتابیں کراچی نے کلیات کی شکل میں شائع کر دیا ہے ان کی ایک نظم چھینی ہوئی تاریخ سے یہ سطریں دیکھیے:

''ہم نے کسی سفارتخانے میں پناہ نہیں لی اور نہ کسی گرتے ہوئے جھنڈے کے نیچے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں ہم نے کسی حادثے پر کسی بیمے والے کوئی امداد نہیں لی موت اور دیگر مراعات ہمارے تنخواہوں میں شامل ہیں۔''(16)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

احمد سید کی نظموں میں اس عام فرد کی زندگی کا بیان نظر آتا ہے جو اپنے ارد گرد اٹھتے مادی آسائشوں کے سیلاب میں کسی تنکے کی طرح بہتے بہتے بالآخر زندگی کی تمام رنگینیوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے ایسے معاشرے کی بنیاد ہی مادیت پرستی اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر رکھی جاتی ہے رفتہ رفتہ ایک ایسے کھوکھلے پن سے ہم کنار ہو جاتے ہیں جو فرد کو فرد سے جدا کر کے اندر سے اٹھنے والی آوازوں کو ختم کر دیتا ہے۔ افضال احمد سعید کی نظم ''مٹی کی کان'' میں مزدور طبقے کو موضوع بنایا گیا ہے یہ نظم درد کی کیفیت سے بڑی ہوئی ہیں یہ نظم بہت طویل ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''میں مٹی کی کان کا مزدور ہوں کام ختم ہو جانے کے بعد ہماری تلاشی لی جاتی ہے ہمارے نگران ہمارے بند بند الگ کر دیتے ہیں پھر ہمیں جوڑ دیا جاتا ہے ہمارے نگران ہمیں لاپروائی سے جوڑتے ہیں پہلے دن میرے کسی حصہ کی جگہ کسی اور کا کوئی حصہ جوڑ دیا گیا تھا ہوتے ہوتے ایک ایک رواں کسی نہ کسی اور کا ہو جاتا خبر نہیں میرے مختلف حصوں سے جڑے ہوئے مزدوروں میں کتنے کان بیٹھنے سے مر گئے ہوں گے مٹی چلانے کے عوض زندہ جلا دیے ہوں گے۔''(17)

اس نظم کا موضوع معاشرے میں ہونے والے ظلم و جبر کی عکاسی کرتا ہے مزدور کی تلاشی لینا ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا ہے جو دراصل ان کی شناخت ختم کر دیتا ہے تاکہ وہ بغاوت کرنے کے قابل نہ رہیں ان کے خلاف احتجاج نہ کر سکیں افضال احمد سید کی اولین شناخت نثری نظم نگاری ہیں ان کی نثری نظمیں اس صنف کے لئے گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

افضال احمد سید کی طرح ذیشان ساحل کا شمار بھی ان اہم نظم نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے دھیمے لہجے اور شائستہ اسلوب کی بدولت نثری نظم کو ایک نئے آہنگ اور انداز سے نوازا اردو میں نثری نظم کی روایت ذیشان ساحل کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے ان کا پہلا مجموعہ ''ایرینیا'' 1958ء میں اور آخری مجموعہ ''نیم تاریک'' 2005 میں منظر عام پر آیا۔ ان کے انتقال کے بعد ادارہ ''آج کی کتابیں'' کراچی نے ان کے مجموعے کو ''ساری نظمیں'' کے عنوان سے شائع کیا ان کے تمام شعری مجموعے نظموں پر مشتمل ہیں اور ان نظموں میں بیشتر حصہ نثری نظموں پر مشتمل ہے ذیشان ساحل جسمانی طور پر معذور تھے لیکن ان کی نظموں میں کبھی جھنجلاہٹ اور بیزاری کا رنگ نظر نہیں آیا وہ زندگی کو مثبت قدروں کا مجموعہ تصور کرتے تھے ان کی نظموں میں ایسے تجربے بھی نظر آتے ہیں جن سے ایک معذور شخص نہیں گزر سکتا ذیشان ساحل کی نظموں میں اڑتے ہوئے پرندوں شام کے ستارے شاخوں پر کھلتے پھول اوس میں بھیگی کلیاں اور شہر کی ویران سڑکوں پر بیٹھے کبوتر شاعر کی داخلی تنہائی سے مل کر ایک ایسا منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں کہ قاری اپنے ارد گرد پھیلی مایوسی اور ناامیدی میں بھی زندگی کی رمق تلاش کرنے لگتا ہے قاری زندگی جینے کے لیے امید کی ایک چھوٹی سی کرن ڈھونڈنے لگتا ہے۔

نثری نظم نے ذیشان ساحل کی ذات کو انفرادیت بخشی ہے ان کی نظموں میں شامل تمام موضوعات شہر کراچی کی تصویر کشی نہیں کرتا بلکہ ہم سے اپنے عہد کے تناظر میں پوری عصری صورتحال پر چسپاں کر سکتے ہیں کیونکہ ذیشان نے فرسودہ موضوعات کے بجائے نئے موضوعات کو نثری نظم کا موضوع بنایا ان کی نظم جہاز اس کی ایک مثال ہے وہ نظموں میں محبت اور سیاست کو بھی موضوع بناتے ہیں۔

اردو ادب میں سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی اور میراجی کی مثال سامنے ہے جنہوں نے اردو ادب میں جنسی علامتوں کا استعمال کیا شاعری میں جنسی علامتوں کا استعمال سب سے پہلے میراجی نے کیا اس کے بعد زبیر رضوی نے جنس اور اس سے پیدا شدہ مسائل کو اپنی شاعری میں جگہ دی وہ سماجی مسائل کو پیش کرتے ہوئے ایسے الفاظ اور علامتیں استعمال کرتے ہیں کہ قاری کا ذہن خود بخود جنسی مسائل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں نثری نظم بحیثیت صنف قائم ہو چکی ہے اردو میں نثری نظم کے علاوہ اور کسی بھی صنف کے طریقہ اظہار پر اتنی گفتگو نہیں ہوئی ناقدین نے اس صنف سخن کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے تمام تر مخالفت کے باوجود یہ صنف سخن ابھی زندہ ہے اور ہماری زندگی کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے نثری نظم سے اردو شاعری کے موضوعات کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ نثری نظم نگار خواتین کی فہرست میں بہت سے اور ناموں کی گنجائش بھی موجود ہے یہ وہ شاعرات ہیں جنہوں نے نثری نظم کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

چڑھانے میں بھرپور تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا اور بے شمار مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اسے اہل نقد سے منوا کر چھوڑا اس میں مرد شاعروں کا بھی بڑا حصہ ہے گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا جائزہ اس امر پر دلیل ہے کہ نثری نظم اپنے اندر تمام پیچیدہ صورتحال کے نقوش سمیٹے ہوئے ہے۔ جو معاشرے کے معاشی سماجی ثقافتی اور سیاسی پہلوؤں کو ہر آن متاثر کر رہے ہیں معاصر نثری نظم نگاروں نے اپنے نام امکانات کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنا رشتہ اس عظیم ادبی روایت سے استوار کیے رکھا ہے جس نے وابستہ خلیق کاروں نے ایسے نادر شاہ کار تخلیق کیے جنھیں دنیا کے کسی بھی اعلی ادب کے مسائل کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر/ محمد سلیم الرحمن، منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی، لاہور، 2005ء، ص:161
2۔ مسعود ہاشمی، سید، بیسویں صدی میں تنقید، روزون پبلی کیشنز، 1998ء، ص:571
3۔ ایضاً، ص576
4۔ اویس سجاد، نثری نظم اصول، حمایت، اختلاف اور روایات (مرتبہ) لاہور، فکشن لاہور، 2020ء، ص:11
5۔ فہیم اعظمی، آرتھر راں بو، مضمون مشمولہ سخن زار، کراچی، 2009ء
6۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011ء، ص:256
7۔ ظہر سجاد، پگھلا نیلم، (مقدمہ) نئی روشن پرکاشن، دہلی، 1964ء، ص:ن م
8۔ ایضاً، ص:50
9۔ مبارک احمد، زمانہ عدالت نہیں، نئی مطبوعات، لاہور، 1965ء، ص:86،85
10۔ احمد ہمیش، نثری نظم، (مشمولہ)، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، 2008ء، ص:883
11۔ احمد ہمیش، تجدید۔6، شب خون، الہ آباد، نومبر 1967ء
12۔ آصف فرخی، مضمون مشمولہ ادبیات (نثری نظم نمبر)، ص:449
13۔ قمر جمیل، نظم مشمولہ ادبیات (نثری نمبر)، ص457
14۔ عبدالرشید، پیرس میں سال کا آخری دن اور دوسری نظمیں"، لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، 2009ء، ص:09
15۔ ثروت حسین، خاک دان، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1998ء، ص:73
16۔ افضال احمد، سید، مٹی کی کان (کلیات)، آج کی کتابیں، کراچی، 2009ء، ص:51
17۔ ذیشان ساحل، کراچی اور دوسری نظمیں، آج کی کتابیں، کراچی، 2003ء، ص26